مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

قسط ۲ (آخری)

غیر سُودی معیشت کے قیام میں اصل رُکاوٹیں

لہٰذا جب تک داعیانِ تحریک اپنی ذات اور اپنے گھر سے اس کا عملی نمونہ شروع نہ کریں گے، تحریک آگے نہ بڑھے گی، خواہ نظریاتی طور پر وہ کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہوں۔ ایک دیہاتی غریب کی جب تک عملی طور پر امداد نہ کی جائے، اسلامی نظامِ معیشت کی برکات و ثمرات کا پرچار اس پر کیا اثر کرے گا؟ تحریک کی کامیابی یا ناکامی کی ذمہ داری ہمارے سر پر نہیں، لیکن انفاق فی سبیل اللہ اور ابتدائی شرائط کی ادائیگی ضروری ہے۔ اور اس کا بہرحال فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ شرط یہ ہے کہ یہ کام سیاسی اغراض کی بجائے محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کیلئے کیا جانا چاہیئے ——— اسلامی نظام کی ترویج میں تاخیر کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے بجائے (اگر کئے جاتے ہیں تو) سیاسی اغراض کے لئے کئے جاتے ہیں۔

ان داعیانِ تحریک کے بعد دوسرے درجہ پر تاجر اور صنعت کار دوستوں کا طبقہ ہے۔ جو دیکھنے میں صوفی باریش نمازی بھی ہیں اور حاجی بھی، اور تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کے سرگرم کارکن اور حامی ہیں۔ یہ لوگ اپنے کاروبار چلانے کے لئے کاروباری مجبوری کے نام پر کچھ تو "حیات بخش خون" بنکوں سے حاصل کرتے ہیں اور اسی حیات بخش خون کا کثیر حصہ دوسرے "ذرائع" سے خود ہی حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک صنعتکار اگر کسی سال ایک کروڑ روپے کی مالیت کی ایک مل لگاتا ہے تو دوسرے ہی سال اس جیسی ایک اور مل کی تیاری شروع کر دیتا ہے اسی طرح ایک تاجر کو اپنا کاروبار شروع کئے چھ ماہ نہیں گزرنے پاتے کہ وہ ایک عالی شان مکان کی تعمیر شروع کر دیتا ہے۔ عام آدمی تو زندگی بھر ایک سادہ سے مکان کی تعمیر کی آرزو میں زندگی گزار دیتا ہے اور بسا اوقات اسے یہ توفیق نصیب نہیں ہوتی، وہ بیچارہ کرایہ کے کمرہ میں ہی بسر اوقات کر کے راہی ملکِ عدم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ طبقہ دولت سمیٹنے کے فن سے کچھ ایسا آگاہ ہو جاتا ہے کہ مایا دیوی خود آ کر ان کے قدم چومتی ہے۔ یہ لوگ غالباً اس خیال سے تحریک کے مددگار بنے تھے ——— اور خدا کرے کہ یہ خیال غلط ہو ——— کہ اسلامی نظام چونکہ انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کرتا ہے لہٰذا ان کی املاک کو تحفظ حاصل ہو جائیگا اور کارخانے

وغیرہ قومی تحویل میں نہ لئے جاسکیں گے ـــــ مگر یہ لوگ دراصل ایسا اسلام چاہتے ہیں جو ان کے کاروباری معاملات میں کوئی دخل نہ دے ، نہ ہی ان کے "حیات بخش خون" کے کسی ذریعہ پر کوئی زد پڑے ۔ ماپ تول کی خرابی، ملاوٹ، ٹیکس کی چوری، ناجائز منافع خوری، چور بازاری اور سودی لین دین وغیرہ سب کچھ ہی برقرار رہے ۔ بھلا ایسے بے ضرر اسلامی نظام پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے ۔ البتہ جب انھیں ایسے "خدشات" بھی دکھائی دینے لگتے ہیں تو یہ لوگ "تذبذب" میں پڑ جاتے ہیں ۔ لہٰذا ان لوگوں کے زر پرستانہ ذہن کی پاکیزہ اسلامی تعلیمات کے ذریعہ تطہیر کی بھی شدید ضرورت ہے ۔

یہ تو تھے اپنوں سے گلے شکوے پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو فی الواقعہ اسلامی نظام میں روکاوٹ کا سبب بنے ہوئے ہیں ۔ کہنے کو تو یہ بھی مسلمان ہیں مگر کھل کر سامنے نہیں آتے ۔ ان کا ذہن ملحدانہ اور یکسر غیر اسلامی اقدار کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ دورِ غلامی میں غیر ملکی فرنگیوں نے اور اسی طرح پاکستان کے مختلف ادوار میں مخالفِ اسلام اقتدار نے اپنے مشن کے تحت سیکولرازم کا زہریلا بیج بویا ۔ پھر اس کے مغربی فلسفے پر مبنی علوم کے ذریعے مستشرقین کی تحقیقات کے ذریعہ اور اپنی ثقافت اور کئی دوسرے ذرائع سے آبیاری کی جاتی رہی تا آنکہ مسلمان خود بھی اسلام کو ایک فرسودہ نظام قرار دینے لگا ۔ ان میں سرِ فہرست "ترقی پسندوں" کا وہ طبقہ ہے جو انتظامیہ کی کلیدی آسامیوں پر براجمان ہیں ۔ یہ سول سروس کے کارپردازان عموماً سیکولرازم کے محافظ اور پناہ گاہ بن چکے ہیں اور بیرونی تہذیبوں اور ثقافتوں کے ایجنٹ ہونے کی وجہ سے ان سے رابطہ بھی رکھتے ہیں، ان کے اپنے مخصوص نظریات و مقاصد ہوتے ہیں ۔ اپنی خوشامدانہ پالیسی کی بنا پر ہر نئی آنے والی حکومت کو اپنے دامِ تزویر میں پھانس لینا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہوتا ہے ۔ لیکن جب کوئی بات اپنے نظریات و مقاصد کے خلاف دیکھتے ہیں تو نہایت عاجزی سے ایسے اعتراضات اور الجھنیں پیدا کر دیتے ہیں کہ خود حکومت کو ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑتے ہیں یا اپنی روایتی نااہلی اور بددیانتی کے سبب سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے انہیں معرضِ التوا میں ڈالے رکھتے ہیں ۔ اور اگر کوئی حکومت اپنے عزائم میں مضبوط ہو تو یہ زیرِ زمین ایسا چکر چلاتے ہیں کہ خود اس حکومت کا ہی تختہ الٹ کر رکھ دیتے ہیں ۔ لہٰذا ان لوگوں کے عزائم سے محتاط رہنا نہایت ضروری ہے ۔

ایک دوسرا طبقہ ماہرینِ معاشیات کا ہے ۔ ظاہر ہے کہ کوئی اقتصادی سکیم ان ماہرین کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتی ۔ انہیں سیکولر نظام یا خالص مادی نظامِ حیشت نے جو مواد رٹایا ہوتا ہے، اسی کے تحت یہ غور فرما سکتے ہیں ۔ علاوہ ازیں سیکولر انتظامیہ کا کل پرزہ بن کر رہنے کی وجہ سے ان کی ذہنی ساخت کچھ ایسی جامد ہو جاتی ہے کہ ان میں نئی نہج پر اصولوں کے مطابق کام کرنے کے لئے تخلیقی ذہن موجود ہی نہیں ہوتا ۔ لہٰذا یہ لوگ کسی بھی

نئی سکیم کا جائزہ لینے، اس پر غور و خوض کرنے، سیمینار قائم کرنے اور بحث و تمحیص کے بعد اس کو ناقابل عمل قرار دے دیتے ہیں۔ موجودہ نظامِ سود کو ختم کرنے کے نقصانات اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ملکی بدحالی کا تصور کچھ اس طرح ذہن نشین کراتے ہیں کہ جہاں یہ طلسم ٹوٹا، بس سب کچھ تہس نہس ہو کر رہ جائیگا۔ ظاہر ہے کہ ایک ماہرِ فن پوری تحقیق کرنے کے بعد اپنے مقامِ بلند سے ایسا فتویٰ صادر کر دے تو ہم عامیوں کو سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑے گا۔

معاشی قوانین کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ مشروط ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر کچھ مفروضات پر مبنی ہوتے ہیں ان کے بیان کرنے سے پیشتر یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ "اگر دوسرے حالات برقرار رہیں" تو اس قانون، مثلاً قانونِ رسد یا طلب کا رجحان ایسا ہوگا اور دوسرے حالات اکثر برقرار نہیں رہتے۔ بسا اوقات ایسا ہی ہوا ہے۔ مثلاً آبادی کا مسئلہ ہی لے لیں، اس مسئلہ کو مشہور برطانوی معیشت دان مالتھس نے اپنی کتاب "آبادی کے اصول پر مقالہ ۱۹۷۸ء" میں پیش کیا تھا کہ "آبادی جیومیٹری کی تدریجی رفتار سے یعنی ۱، ۲، ۴، ۸، ۱۶، ۳۲ کی رفتار سے بڑھ رہی ہے اور وسائل پیداوار حساب کی تدریجی رفتار یعنی ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷ کے حساب سے بڑھتے ہیں۔ لہٰذا اگر آبادی کی پیدائش پر کنٹرول نہ کیا گیا تو انسانیت کا مستقبل نہایت بھیانک ہے"۔ لیکن تاریخ نے اس پیشگوئی کو غلط ثابت کر دیا اور آج پونے دو صدیاں گذرنے کے بعد برطانیہ اس دور سے کہیں زیادہ خوشحال ہے۔ لہٰذا مالتھس کو بعد میں آنے والے معیشت دانوں نے "جھوٹا پیشین گو" کے نام سے یاد کیا اور اس کے اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے والے یہ "دوسرے حالات" ہی تھے۔ برطانیہ میں اس صنعتی انقلاب کی داغ بیل مالتھس کی زندگی میں ہی پڑ چکی تھی اور جس کا ذکر اس نے خود بھی کیا ہے۔ یہ صنعتی ترقی کتنی ہوگی اور کہاں تک پہنچے گی، اس کا وہ اندازہ کرنے سے قاصر رہا۔

خاندانی منصوبہ بندی پاکستان میں بھی رائج ہے۔ لیکن اس محکمہ کی تمام تر سرگرمیاں کچھ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں۔ کیونکہ "دوسرے حالات" نہ کسی فرد کے اختیار میں ہیں اور نہ معاشرہ کے اختیار میں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آج سے بیس پچیس سال پہلے چار بچوں والا کنبہ معاشی لحاظ سے متوسط شمار ہوتا تھا۔ ایسے کنبہ کو نہ تو چھوٹا کہہ سکتے تھے نہ بڑا۔ لیکن اس کمیشن کی سرگرمیوں کے بعد قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ آج تقریباً آٹھ بچوں والا کنبہ متوسط سمجھا جاتا ہے۔ شرح پیدائش میں یکدم ایسی تیز رفتاری کون سے معاشی قانون کے تحت آسکتی ہے؟ — کہیں قدرت ہمارا مذاق تو نہیں اڑا رہی؟

دراصل موجودہ قوانینِ معیشت اور اسلامی نظامِ معیشت میں جابجا نظریاتی تضاد اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔ آبادی کا مسئلہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ موجودہ علمِ معیشت اس بات پر زور دیتا ہے کہ آبادی کو ذرائع

پیداوار کے مطابق رکھا جائے جبکہ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ ذرائع کو انسانی ضرورتوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ اہم چیز انسان ہے نہ کہ ذرائع۔ اور ذرائع کے متعلق واضح ارشاد ہے:

"وللہ خزائن السموٰت والارض"

یعنی پیداوار کے تمام تر وسائل تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں جن میں وہ اپنے اندازے کے مطابق کمی بیشی فرماتے رہتے ہیں۔

انسان کو ذرائع کے مقابلہ میں اسلام نے بہت زیادہ اہمیت دی ہے، فرمایا:

"ولاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأً کبیرا"

کہ "تم اپنی اولاد کو مفلس ہو جانے کے خوف سے قتل نہ کرو، انہیں اور تمہیں بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں بیشک ان کا قتل بہت بڑی خطا ہے"

یہ درست ہے کہ پاکستان میں آبادی کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔ لیکن اس کا حل یہ نہیں ہے کہ پیدائش پر پابندی عائد کی جائے بلکہ اس کا صحیح حل یہ ہے کہ وسائل رزق میں وسعت پیدا کی جائے۔ پاکستان اللہ کے فضل سے لامحدود ذرائع سے مالا مال ہے۔ آئے دن تیل، تانبہ اور دوسری معدنیات کی دریافت کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ محنت اور جفاکشی کے لحاظ سے بھی پاکستان دنیا بھر میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ لیکن ہم سیاسی الجھنوں میں پڑ کر اگر ان سے فائدہ حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ دیں تو اس میں قدرت کا کیا قصور ہے؟

اسی طرح ایک دوسرا اقتصادی مسئلہ خوراک بھی دیکھ لیجئے۔ ایوبی دور سے ہم یہ سنتے آرہے ہیں کہ کہ بس، اس سال سے پاکستان خوراک کے مسئلہ میں خود کفیل ہو جائیگا۔ ماہرین کی میٹنگیں بھی ہوتی ہیں، حکومت کی طرف سے تمام تر وسائل بھی مہیا کئے جاتے ہیں۔ لیکن آج تک یہ کفالت میسر نہیں ہو سکی۔ آج بھی غلہ باہر سے آرہا ہے تو اس کی وجہ یہ "دوسرے حالات" ہیں جن کی باگ ڈور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ مثلاً فصلوں کو کیڑا لگنا، وقت ضرورت بارش نہ ہونا، بے وقت کثرت سے بارش اور سیلاب وغیرہ۔ یہ سب حالات نہ تو ماہرین کے بس میں ہیں اور نہ ہی حکومت کے اختیار میں۔ اس ناہموار معیشت یعنی آبادی کی زیادتی اور وسائل کی کمی یا وسائل سے پوری طرح استفادہ نہ کر سکنے کی وجہ سے قومی یا ذاتی آمدنی کی کمی کے اسباب اور علاج اللہ تعالیٰ کچھ اور ہی تشخیص فرماتا ہے جس کی طرف ہم دھیان نہیں دیتے، ارشادِ خداوندی ہے:

"واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن کلا بل لا تکرمون الیتیم ولا تحاضون علی طعام المسکین وتاکلون التراث اکلا لما وتحبون المال حبا جما" ۸۹/ ۱۵ تا ۱۹)

"اور جب اللہ تعالیٰ انسان کو دوسری طرح) آزماتا اور اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو انسان کہنے لگتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری ناقدری کی - بات یوں نہیں بلکہ تم لوگ نہ تو یتیم کی خاطر کرتے ہو، نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی طرف توجہ دیتے دلاتے ہو۔ پھر وراثت کا سارا مال خود ہی ہڑپ کر جاتے ہو اور دولت کی محبت تمہیں بہت زیادہ عزیز ہے"

ان آیات میں کسی فرد یا قوم پر وسائلِ خوراک کی تنگی کے اسباب یہ بیان فرمائے ہیں کہ مال و دولت سے ایسی بے پناہ محبت کہ انسان دوسروں کے حق کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے، اسے سمیٹتا جائے، اور بخل کی انتہا یہ کہ معاشرہ کے یتیم و بے نواؤں کی بھوک اور افلاس تک کا خیال بھی نہ آئے ـــــ یہ نقائص اگر دور کر دیئے جائیں تو" دوسرے حالات "اللہ تعالیٰ خود سازگار بنا دیگا"

جبکہ ہمارے ماہرین کی نظر صرف موجودہ حالات اور وسائل پر ہوتی ہے - اس کے مطابق وہ نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں - لیکن حالات تبدیل ہو کر نتائج کچھ کے کچھ حاصل ہوتے ہیں، اور اس کا انہیں اعتراف بھی ہے تو پھر آخر کس برتے پر ان قوانین پر اس قدر تکیہ کیا جائے کہ جہاں کہیں ان کے نظریات اور الہامی نظریات میں ٹکراؤ ہو تو ہم دونوں کے نفع و ضرر کا توازن و تقابل کرنے بیٹھ جائیں؟

تاہم اگر انہی ماہرین سے کام لینا ہے تو اس کا بس ایک ہی طریقہ ہے کہ ان پر حکماً یہ واضح کر دیا جائے کہ غیر سودی نظام بہر حال رائج کرنا ہے - اگر وہ اس کیلئے کوئی عملی خاکہ پیش کر سکتے ہیں تو بہتر، ورنہ انہیں چھٹی کرنا ہوگی - لازماً اس طریقہ سے وہ کچھ اپنے ذہن پر زور دے کر اس کی کوئی صورت پیدا کریں گے اور اگر نہ کر سکیں تو پھر ان ٹیکنیکل ماہرین سے نان ٹیکنیکل لوگ بدرجہا بہتر ثابت ہوں گے جو اسلامی نظریہ حیات پر مضبوط عقیدہ رکھتے ہیں، جو دل و جان سے اس کو تسلیم کرتے اور اس کی راہ میں پیش آمدہ رکاوٹوں کا بہر طور مقابلہ کرنے کو تیار ہیں - اور ایسے لوگوں کا آج بھی ہمارے ہاں فقدان نہیں ہے جو عملاً اس کو رائج کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں - یہ لوگ ابتدا میں اگر کچھ غلطی کریں گے تو بھی جلد سنبھل جائیں گے - آخر ماہرین کے تیار کردہ بھی تو کئی منصوبے ناکام ہو کر رہ گئے ہیں تو پھر ان خطرات و خدشات کو کچھ وقعت نہ دینی چاہیئے بلکہ ؎

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے — دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

کے مصداق کام کا آغاز کر دینا چاہیئے، ان شاء اللہ ہم کامیاب و کامران ہوں گے۔ اور اگر ہم کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے تو یہ بات دوسری ہے۔ اس صورت میں بہتر ہے کہ ہم اسلام کے دعویٰ سے ہی دست بردار ہو جائیں۔ تاکہ کم از کم اس عالمگیر نظام کی بدنامی کا باعث تو نہ بنیں ——!

ترجمان کی ایجنسیاں

- ملک اینڈ سنز نیوز ایجنٹ بک سیلرز، ریلوے روڈ سیالکوٹ۔
- قریشی بک ڈپو شکر گڑھ۔ ضلع سیالکوٹ۔
- محمد سعید صاحب ایجنسی کھجور مارکہ صابن، بازار ناندلیانوالہ ضلع فیصل آباد
- حاجی ملک محمد ابراہیم صاحب دکاندار مین بازار ٹیکسلا، تحصیل و ضلع راولپنڈی۔
- مولانا محمد عبداللہ صاحب، خطیب جامع اہلحدیث، صدر، راولپنڈی۔
- حکیم محمد یوسف صاحب زبیدی جامع مسجد اہلحدیث۔ شاہ فیصل شہید روڈ لعل چند باغ میرپور خاص (سندھ)
- منشا بکسٹال بالمقابل ریلوے سٹیشن گوجرانوالہ ٹاؤن۔
- خواجہ نیوز ایجنسی لودھراں، ضلع ملتان۔
- حافظ عبدالحق صاحب معرفت مولوی علی احمد صاحب کریانہ سٹور، تحصیل بازار، بہاولنگر
- مرکز ادب حسین آگاہی، ملتان شہر۔
- محمد ابراہیم صاحب نیوز ایجنٹ، عباس سائیکل ورکس، بلاک نمبر ۱۹، سرگودھا۔
- مولانا محمد اسماعیل صاحب خادم مسجد امیں پور بازار، فیصل آباد
- میاں عبدالرحمان حماد صاحب خطیب جامع مسجد اہل حدیث، قبولہ ضلع ساہیوال۔
- محمود برادرز کریانہ مرچنٹس، چمن بازار، ہارون آباد، ضلع بہاولنگر۔
- مولانا محمد حنیف صاحب دارالحدیث چیمیانوالی کوچہ چابک سواراں۔ لاہور۔
- محمد الیاس صاحب کمبوہ، کمبوہ ہوٹل، شہداد کوٹ۔ ضلع لاڑکانہ (سندھ)
- حامد برادرز، چوک انارکلی۔ لاہور۔
- کاشانۂ ادب، چوک نیلا گنبد۔ لاہور۔